International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
PP: 158 -173

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

بینکوں کی غیر سودی پراڈکٹس اور قرض پر مبنی خدمات کی شرعی حیثیت ومعیارات

Shariah Status and Standards of Non-Interest Products and Loan Based Services of Banks

Hafiz Haroon Ahmad
Visiting Lecturer, Government Graduate College Civil Lines Sheikhupura
Rubina Kausar
Lecturer, Islamic studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan.

Abstract

The religion of Islam is a universal and comprehensive way of life that provides guidance and satisfaction to the natural emotions and attitudes of all people of all ages. It is comprehensive in all areas of life and there are instructions in Islam related to all areas of life. The issues that have been researched so far are not only commendable but also a knowledge capital for us. In present times many areas are inviting for research according to new conditions and requirements. Islam is a complete system of life; its economics is a comprehensive system that has been applicable in all areas. In the article under review, the non-interest-bearing products used in banks are described and their shariah status is also discussed. In addition, products used in banks related to loans or anything else, have also been defined. What is the Shariah status and Shariah standards of the non-interest-bearing products common in conventional banks, how Islam has explained all this and what Islamic teachings are related to it, has been clarified from the Quran and Sunnah.

***Keywords*:**Conventional banking System, Non-Interest-bearing products, Shariah Standards.

تعارف

دین اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستور حیات ہے جو تمام زمانوں اور سارے انسانوں کے فطری جذبات اور رویوں کی رہنمائی اور تسعید کا سامان فراہم کرتا ہے۔ جملہ شعبہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس کا معاشی نظام ایک جامع نظام ہے جو ہر دور میں قابل عمل رہا ہے۔ نیز کچھ عرصے سے پورے عالم اسلام اور خاص کر پاکستان میں اقتصاد کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے اور اس کو سود سے پاک

کرنے کی سرکاری اور عوامی سطح پر کوششیں ہو رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے مالی معاملات کے جدید مسائل قدیم فقہ اور جدید معیشت کے تناظر میں علمی حلقوں میں زیرِ بحث لائے جارہے ہیں۔

روایتی بینکوں کی خدمات کا استعمال ہماری روزمرہ زندگی میں بہت زیادہ ہے۔ان بینکوں میں بہت سی سہولیات فراہم کی جاتی ہیں جن میں زیادہ تر سودی ہیں اور بعض ایسی خدمات ہیں جو کہ سود سے پاک ہیں اور ہم اپنے روزمرہ معاملات میں ان کا استعمال بھی کرتے ہیں۔احقر نے روایتی بینکوں کی ایسی خدمات کی نشاندہی کی ہے جو کہ سود سے پاک ہیں۔ مثلا ،اے ٹی ایم کارڈ کا استعمال ،کرنٹ اکاؤنٹ ،یوٹیلٹی بلز کی ادائیگی، تنخواہوں اور پنشن کی ادائیگی ،سکول،کالجز اور یونیورسٹیوں کی فیسوں کی ادائیگی اور لاکرز وغیرہ کی سہولیات ہیں

ان خدمات یا سہولیات کے عوض بینک چارجز وصول کرتا ہے اور سروسز فراہم کرتا ہے،انہی تمام خدمات کی شرعی حیثیت اور شرعی معیارات کو دیکھا گیا ہے اور بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے

عصر حاضر میں علمی حلقوں میں ایسے جدید مالی معاملات ردوقدح کا موضوع بنے ہوئے ہیں جن کی شرعی حیثیت اور فقہی تکییف میں علماء اختلافی آراء رکھتے ہیں اور معاملے کی پیچیدگی اس پر مزید بر آں ہے۔ان ہی مسائل میں سے دو مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے۔ان مباحث سے عقد قرض کو پہچاننے اور اس کے احکامات کی تطبیق میں بصیرت پیدا ہو گی۔ وہ دو مسائل یہ ہیں: کرنٹ اکاؤنٹ اور اجارہ سکیورٹی ڈپازٹ۔

احقر نے کرنٹ اکاؤنٹ اور اجارہ سکیورٹی ڈیپازٹ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکییف معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس میں علماء کی آراء کو بیان کیا ہے۔

اے ٹی ایم کارڈ کی شرعی حیثیت

Automated teller machine, ATM کا مخفف ہے۔بینک یہ کارڈ اپنے کھاتہ داروں کو اس غرض سے جاری کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ اپنے شہر یا ملک یا کسی دوسری جگہ کہیں بھی موجود اے ٹی ایم نظام سے اپنی ضرورت کے بقدر رقم بصورت نقد حاصل کر سکیں۔اس کارڈ کے ذریعہ آدمی اپنی جمع شدہ رقم سے استفادہ کرتا ہے اور اس کو حاصل کر سکتا ہے۔اس کے لئے الگ سے کوئی معاوضہ کسی عنوان سے ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جہاں تک رقم کی حفاظت اور بوقت ضرورت رقم کی واپسی کی بات ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔کیونکہ اس کی حیثیت قرض کی ہے۔بینک لوگوں سے خواہش کرتا ہے کہ لوگ اسے پیسے دیں،وہ پیسے دینے والے کے حسب خواہش اسے ادا کر دے گا۔اس طرح بینک کی حیثیت قرض لینے والے کی ہوئی اور کھاتہ دار کی حیثیت قرض دینے والے کی۔نیز اے ٹی ایم کارڈ کی حیثیت قرض کے وثیقہ کی ہوئی کہ قرض دہندہ جب چاہے کارڈ دکھا کر اسے حاصل کر لے اور یہ جائز ہے۔البتہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شرط کے ساتھ کسی کو قرض دینا کہ،وہ فلاں دوسرے شہر میں اس کا قرض لوٹا دے،اس کو فقہاء کی اصطلاح میں 'سفتجہ' کہتے ہیں۔فقہائے کرام سفتجہ کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں بعض فقہائے کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں اور بعض حضرات نے اس کو باب الحوالہ میں ذکر کیا ہے:

1۔جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

2۔بعض نے اسے حوالہ قرار دیا۔

3۔ بعض نے اسے اجارہ قرار دیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔[1]

فقہائے کرام نے اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض پر کسی بھی قسم کے نفع اٹھانے کو منع فرمایا ہے۔ کیونکہ قرض پر کسی بھی قسم کا نفع سود کا شبہ پیدا کرتا ہے اور سفتجہ کے ذریعہ راستہ کے خطرات سے حفاظت کا فائدہ اٹھایا جارہا ہے۔ لیکن سفتجہ کی حقیقت کے سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اے ٹی ایم کی صورت سفتجہ کے دائرہ میں نہیں آتی ہے۔ کیونکہ سفتجہ میں یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ اس قرض کو دوسرے شہر میں ہی وصول کرے گا اور خاص طور پر کسی مقصد کے لئے قرض لینے والے کو یہ رقم حوالے کی جاتی ہے۔

چنانچہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

> والسفا تیج التی تتعاملہ الناس علی ھذا ان کان اقضہ بغیر شرط وکتب لہ سفتجہ بذلک فلا باس بہ
>
> (سفتجہ جس کا معاملہ لوگ کرتے ہیں، اس اصول پر اگر اسے بغیر شرط کے بطور قرض دیا اور اس کے لئے اس کا سفتجہ (وثیقہ ادائیگی) لکھ دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں)۔[2]

مشہور حنفی فقیہ قاضی فخر الدین اوزجندی رقم طراز ہیں:

> وتکرہ السفتجۃ الا ان یستقر ض مطلقا ویوفی بعد ذلک فی بلدہ اخری من غیر شرط
>
> (سفتجہ مکروہ ہے سوائے اس کے کہ قرض کو مطلق لے اور واپسی کسی دوسرے شہر میں ہو جس کی شرط نہیں ہو)۔[3]

اے ٹی ایم کارڈ میں دوسرے شہر میں ہی رقم وصول کرنے کی شرط نہیں ہوتی۔ چونکہ اے ٹی ایم کا مرکز مختلف جگہ موجود ہوتا ہے اور حامل کارڈ کہیں بھی رقم وصول کر سکتا ہے۔ نیز یہ مراکز چوبیس گھنٹے کھلے رہتے ہیں۔ اس سے بھی کارڈ ہولڈر کو سہولت ہوتی ہے۔ ضمنی طور پر ایک سہولت یہ بھی ہو جاتی ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے شہر میں گیا ہوا ہے اور وہاں رقم کی ضرورت پڑی تو وہاں بھی رقم مل جاتی ہے۔ اس لئے اس میں دوسرے شہر میں رقم حاصل کرنے کی سہولت شرط کے درجہ میں نہیں ہے۔ لہذا یہ سفتجہ کی ممنوع صورت کے دائرہ میں نہیں آتا ہے۔ پس اے ٹی ایم کارڈ کے حاصل کرنے اور اس کی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ بالخصوص موجودہ حالات میں جبکہ بھاری رقوم کا ایک شہر سے دوسرے شہر لے کر جانا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا اور اس میں جان و مال دونوں کا تحفظ مشکوک ہوتا ہے۔ تو یقینا بہت سے لوگوں کے لئے اس طرح کی سہولت حاصل کرنا ضرورت کے درجہ میں بھی ہے۔

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر کی شرعی تکییف:

Bank Draft:

> A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by on branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الادا ہوتا ہے۔ جو بالعموم ایک بنک سے دوسرے بنک یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الادا ہوتا ہے، یہ رقوم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔[4]

آگروال بنک ڈرافٹ کی یوں تعریف کر رہے ہیں:

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the bankers the amount to be remitted a small commission. Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed.

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباوہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بنک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہو سکتا ہے اور بیرون ملک بھی ہو سکتا ہے اور اس پر کمیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔[5]

Pay Order:

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the older of specified person. Payment orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is also called Bankers Cheque or Cashiers Cheques.

یہ چیک کی طرح آلہ ہے جو بنک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا اس کے اپنے اخراجات یا بقایاجات کے لئے خود اس پر جاری کئے جائیں تاکہ ایک معینہ رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے۔ ادائیگی کے احکامات عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقوم وصول ہو جانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دیئے جائیں، انہیں بینکاروں کے چیک یا کیشئرز چیک بھی کہا جاتا ہے۔[6]

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں۔ البتہ بنک ان دونوں پر حق الخدمت وصول کرتا ہے جو شرعا جائز ہے۔[7]

چیک کی شرعی حیثیت:

یہ کھاتہ دار کی طرف سے بینک کے نام ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے۔ جس میں وہ بینک کو ہدایت دیتا ہے کہ وہ چیک پر درج شدہ رقم اس یا کسی مخصوص شخص یا حامل چیک کو ادا کرے۔ دوسرے لفظوں میں چیک ایک ایسی دستاویز ہے جو بینک سے رقم نکلوانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔[8]

اس میں مرتب کنندہ (الساحب) کھاتہ دار ہوتا ہے اور مرتب الیہ (المسحوب علیہ) وہ بینک جس کے نام چیک جاری کیا جاتا ہے۔ جب کہ وصول کنندہ (المستفید) وہ شخص ہوتا ہے جو بینک سے رقم وصول پاتا ہے وہ چیک جاری کرنے والا خود بھی ہو سکتا ہے اور کوئی دوسرا بھی۔ علاوہ ازیں چیک جاری کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رقم درج کی جائے جتنی کھاتے میں موجود ہو۔

اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں کیونکہ صارف اپنی جمع کروائی ہوئی رقم ہی وصول کرتا ہے بشرطیکہ کھاتہ سودی نہ ہو۔

ڈیبٹ کارڈ کی شرعی حیثیت:

اس کارڈ کو عربی میں 'بطاقہ مغطاۃ' کہتے ہیں یہ کارڈ صرف ایسے شخص کے لئے جاری کیا جاتا ہے جس کا ادارے میں اکاؤنٹ اور اکاؤنٹ میں بیلنس موجود ہوتا ہے۔ حامل کارڈ جب بھی کارڈ استعمال کرتا ہے ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کر دیتا ہے۔ اس کارڈ میں کسی قسم کے ادھار کی سہولت نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی قسم کا ادھار دینا پڑتا ہے۔

اس کارڈ کے ذریعہ تین قسم کے فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں:

1۔ خرید و فروخت کے بعد قیمت کی ادائیگی، دوکاندار اس کارڈ کے واسطے سے اپنی مطلوبہ رقم کو اپنے کھاتے میں پہنچا دیتا ہے۔

2۔ ضرورت پر رقم نکالنا۔

3۔ ضرورت پر رقم کا اپنے کھاتے سے دوسرے کھاتے میں منتقل کرنا جس کے لئے انٹرنیٹ سے مدد لی جاسکتی ہے۔[9]

معاصر علماء کی بڑی تعداد اس کی فقہی تکییف بطور 'حوالہ' کے کی ہے، چنانچہ پروفیسر صدیق محمد امین الضریر،[10] ڈاکٹر محمد قری بن عبید،[11] مولانا رحمت اللہ ندوی،[12] ڈاکٹر وہبہ زحیلی[13] اور فقہ اکیڈمی انڈیا کے مفتی عبد اللطیف پالنپوری اور ایک قول میں مولانا ابرار خان ندوی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد اعظم ندوی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد ارشد فاروقی[14] وغیرہ نے ڈیبٹ کارڈ کی فقہی تکییف عقد حوالہ سے کی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ نے بھی اسے 'حوالہ' کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے۔[15]

مجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے پندرھویں سمینار (جو کہ مسقط میں منعقد ہوا تھا) میں یہ قرارداد منظور کی ہے کہ ڈیبٹ کارڈ جاری کرنا اس کے ذریعہ خرید و فروخت وغیرہ جائز ہے۔ اس شرط پر کہ ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے جرمانہ (سودی فائدہ) نہ دینا پڑتا ہو۔[16]

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کہتے ہیں کہ ڈیبٹ کارڈ جاری کرنے کے جواز کی دو شرطیں ہیں:

1۔ صاحب کارڈ اپنے بیلنس یا ڈپازٹ سے رقم نکالے گا۔

2۔ اس کارڈ کے ذریعہ معاملہ کرنے پر کوئی اضافی سود مرتب نہیں ہوگا۔[17]

فقہ اکیڈمی انڈیا کے مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی صاحب ڈیبٹ کارڈ سے استفادہ کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

البتہ خرید و فروخت کی صورت میں اگر قیمت کی ادائیگی کسی طرح غرر یا بائع مشتری میں سے کسی کو ضرر ہو تو پھر اس کے ذریعہ خرید و فروخت قابل غور ہوگی۔[18]

حاصل یہ ہوا کہ معاصر علماء کی اکثریت نے بطاقۃ مغطاۃ یعنی ڈیبٹ کارڈ کو عقد حوالہ قرار دیا ہے۔ کارڈ ہولڈر کو محیل، کارڈ جاری کنندہ جو کہ کارڈ ہولڈر کا مدیون بنتا ہے اسے محال علیہ اور تاجر کو محال سے تعبیر کیا۔ اس سے استفادہ کو جائز قرار دیا۔ البتہ یہ شرط رکھی گئی ہے کہ کارڈ ہولڈر اپنے ہی بیلنس سے رقم نکالے اور اس پر ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے سودی فائدہ مرتب نہ ہوتا ہو۔ اسی طرح قیمت ادائیگی میں غرر اور بائع و مشتری کسی کا ضرر بھی نہ ہو۔ وگرنہ ان خرابیوں کی وجہ سے ڈیبٹ کارڈ سے استفادہ اور اس کا اجراء ان علماء کے نزدیک ناجائز قرار پائے گا۔

رہ گئی فیس کارڈ کی بات تو اس میں بھی کوئی قباحت نظر نہیں آتی کیونکہ یہ رقم کی منتقلی وغیرہ کے سلسلہ میں جو ضروری کاروائی کرنی پڑتی ہے اس کی اجرت ہے اور فقہاء نے ایسے کاموں کے لئے اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔

معروف حنفی فقیہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

لیستحق القاضی الاجر علی کتب الوثائق او المحاضر او السجلات قدر ما یجوز لغیرہ کالمفتی[19]

(قاضی وثیقہ، محضر وغیرہ کے لکھنے پر اس مقدار اجرت کا مستحق ہو گا جو دوسرے کو جیسے مفتی کو دی جاتی ہے)۔

لہٰذا ڈیبٹ کارڈ کا حاصل کرنا اور اس سے استفادہ کرنا بھی درست ہے۔

کرنٹ اکاؤنٹ کی شرعی تکییف:

روایتی بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانے کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں، بعض اس کو ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے بعض حضرات تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دارالعلوم کراچی کے دیگر ارباب فتویٰ کی رائے جواز کی ہے۔

چنانچہ ایک تحریر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

جہاں تک سودی بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے کا تعلق ہے تو اس اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے والے کو بینک کوئی نفع یا سود نہیں دیتا لہٰذا اس اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے سے سودی قرض کے معاہدے میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس حیثیت سے کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھوانا جائز ہے۔[20] لیکن بعض علماء معاصرین نے اس پر اشکال کیا ہے کہ اگرچہ یہ سودی قرض تو نہیں ہے لیکن اس صورت میں سودی معاملات میں بینک کے ساتھ اعانت تو پائی جارہی ہے۔ اس لئے کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کو بینک منجمد کر کے رکھ نہیں دیتا، لہٰذا رقم رکھوانے والا بینک کے ساتھ سودی معاملات میں معاون بن جائے گا۔

لیکن اس اشکال کو مندرجہ ذیل طریقوں سے دور کرنا ممکن ہے:

1۔ بینکوں کا یہ معمول ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی گئی تمام رقوم کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے بلکہ اس رقم کی ایک بڑی مقدار اپنے پاس اس غرض سے محفوظ رکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے رقم نکلوانے والوں کی طلب کو روزانہ پورا کیا جاسکے اور بینک کے اندر تمام رقومات ایک ہی جگہ پر ملی جلی رکھی جاتی ہیں۔ اس لئے کسی بھی اکاؤنٹ ہولڈر کے لئے یہ یقین کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس کی رقم کہاں اور کس معاملہ میں لگ چکی ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ بینک کے رقم لگانے کی بے شمار جگہیں ہوتی ہیں۔ وہ سب کی سب جگہیں شرعاً ممنوع نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں خرچ کرنا اور رقم لگانا حرام نہیں ہوتا۔ لہٰذا کسی بھی اکاؤنٹ ہولڈر کے لئے یقینی طور پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ اس کی رقم اس جگہ پر صرف ہوئی ہے جو شرعاً حلال نہیں ہے۔

3۔ غیر سودی قرض کا معاملہ شرعاً جائز معاملہ ہے اور نقود کا حکم یہ ہے کہ وہ عقود صحیحہ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔

کرنٹ اکاؤنٹ میں جو شخص بھی کوئی رقم رکھواتا ہے تو بینک کو قرض دینے کے نتیجے میں وہ رقم اس کی ملکیت سے نکل کر بینک کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اب بینک اس رقم میں جو کچھ تصرف کرے گا وہ اکاؤنٹ ہولڈر کی ملکیت میں تصرف

کرنا نہیں ہو گا بلکہ اس کی اپنی ملکیت میں یہ تصرف ہو گا۔ لہٰذا اس تصرف کو اکاؤنٹ ہولڈر کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

4۔ کسی معصیت پر اعانت کرنا اگرچہ حرام ہے۔ لیکن فقہاء کرام نے اس کے کچھ اصول بھی بیان فرمائے ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں (اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو ملاحظہ فرمائیں: در مختار 5/272، تکملہ فتح القدیر:8/127، شرح المھذب:9/391، نہایۃ المحتاج:3/454، حواشی الشروانی علی تحفہ المحتاج:4/317، الفروق للقرافی 2/33، نیل الاوطار للشوکانی:5/154)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اعانت کے مسئلہ کو بیان فرمایا ہے۔ اعانت علی المعصیت نص قرآن کی رو سے مطلقاً حرام ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ولا تعاونو علی الاثم والعدوان[21])، گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، دوسری جگہ ارشاد ہے (فلن اکون ظھیر اللمجرمین[22]) میں کبھی مجرموں کی مدد نہیں کروں گا۔ اعانت اس کو کہا جاتا ہے کہ معین یعنی مدد گار کے عین فعل سے وہ معصیت قائم ہو یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب یا تو مدد گار اعانت کرنے کی نیت بھی کرے یا اعانت کرنے کی تصریح کرے یا اس چیز کے استعمال کو اسی معصیت کے کام کے لئے اس طرح متعین کرے کہ غیر معصیت میں اس کے استعمال کا احتمال باقی نہ رہے۔ لیکن اگر معصیت معین یعنی مدد گار کے عین فعل کے ساتھ قائم نہ ہو تو اس کو حقیقۃ اعانت نہیں کہیں گے۔ بلکہ اس کو معصیت کا سبب کہیں گے اور جن حضرات نے اس پر اعانت کے لفظ کا اطلاق کیا ہے انہوں نے مجازاً کہا ہے اس لئے کہ یہ صورۃ اعانت ہے حقیقۃ اعانت نہیں۔[23]

لہٰذا جب بینک میں رکھی گئی رقوم میں غور کیا تو اس سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی شخص کا 'کرنٹ اکاؤنٹ' میں رقم رکھوانا سودی معاملات کا ایسا محرک اور سبب نہیں ہے کہ اگر یہ شخص بینک میں رقم نہیں رکھوائے گا تو بینک سودی لین دین کے گناہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔ عام طور پر بینک میں رقم رکھوانے والے کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وہ سودی لین دین میں بینک کی مدد کرے گا۔ بلکہ عام طور پر اپنی رقم کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اور پھر رقم رکھوانے والے کو یقینی طور پر یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس کی رقم سودی لین دین میں لگائی جائے گی بلکہ اس کا بھی احتمال ہوتا ہے کہ اس کی رقم بینک میں محفوظ رکھی جائے اور اس کا بھی احتمال ہوتا ہے کہ اس کی رقم کسی جائز اور مشروع لین دین میں لگائی جائے۔ لیکن اگر بالفرض بینک نے اس کی رقم سودی کاروبار میں لگا بھی دی تو تب بھی کرنسی کا اصول یہ ہے کہ وہ جائز عقود معاوضہ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی۔ لہٰذا سودی معاملات کو کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھی گئی رقوم کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا بلکہ ان معاملات کو اس رقم کی طرف منسوب کیا جائے گا جو اب بینک کی اپنی ملکیت ہو گئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج بہت سے جائز معاملات بھی بینکوں کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں اور ان معاملات کی تکمیل کے لئے انسان اس بات پر مجبور ہے کہ وہ کسی نہ کسی بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھولے چونکہ بینک میں اکاؤنٹ کھولنے کی یہ ضرورت بالکل ظاہر ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ کھولنے کی کراہت تنزیہی بھی انشاء اللہ ختم ہو جائے گی۔[24]

لیٹر آف کریڈٹ کی شرعی حیثیت:

(الاعتماد المستندی/ Letter of Credit)

بین ملکی تجارت میں درآمد کرنے والا فریق(Importer) برآمد کرنے والا فریق(Exporter) کے حق میں بینک سے ادائیگی کی ضمانت حاصل کرتا ہے۔اسی تحریر کو لیٹر آف کریڈٹ کہتے ہیں۔

لیٹر آف کریڈٹ میں کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ چار فریق ہوتے ہیں:

(الف) درآمد کنندہ جو دوسرے ملک سے مال منگواتا ہے۔

(ب) بینک جس نے لیٹر آف کریڈٹ جاری کیا ہے اور ادائیگی کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

(ج) مستفید، یعنی برآمد کرنے والا فریق جس کے مفاد کے تحفظ کے لئے لیٹر جاری کیا گیا ہے۔

(د) بعض دفعہ بینک براہ راست برآمد کنندہ سے معاملہ کرنے کی بجائے اس کے بینک کے ذریعہ واجبات ادا کرتا ہے اور کاغذی دستاویزات کو حاصل کرتا ہے۔ جس میں اس بینک کا کھاتہ موجود ہوتا ہے، اس طرح یہ اس معاملہ کا چوتھا فریق قرار پائے گا۔ اگر لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے والے بینک کی اپنی برانچ برآمد کنندہ کے ملک میں موجود ہو تو اس چوتھے فریق کی ضرورت نہیں پڑتی۔

جو لوگ باہر سے مال منگواتے ہیں ان کو کسی بینک میں ایل سی کھلوانی پڑتی ہے۔ جس کے نتیجے میں بینک ان کے لئے لیٹر آف کریڈٹ جاری کرتا ہے اور بینک لوگوں کی ضمانت دیتا ہے اور پھر بینک اس ضمانت پر معاوضہ وصول کرتا ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا بینک کے لئے اس ضمانت پر معاوضہ وصول کرنا جائز ہے؟

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ

کفالت یا ضمانت پر اجرت لینا شرعاً حرام ہے، میرے علم کے مطابق کسی ایک فقیہ نے بھی اس کو جائز نہیں کہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی اجرت ہے جو کسی مال یا عمل کے عوض میں نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلامی فقہ میں کفالت کو عقد تبرع میں شمار کیا جاتا ہے۔عقود معاوضہ میں شمار نہیں ہوتا۔یہ ایسی واضح بات ہے کہ جس کے لئے دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ 'کفیل' کے لئے نفس کفالت پر تو اجرت لینا جائز نہیں۔ لیکن اگر کفیل کو اس کفالت پر کچھ عمل کرنا پڑتا ہے مثلاً: اس کے بارے لکھنا پڑتا ہے اور دوسرے دفتری امور بھی انجام دینا پڑتے ہیں یا مثلاً: کفالت کے سلسلے میں اس کو مضمون لہ (جس کے لئے لی گئی ہے اور مضمون عنہ جس کی طرف سے ضمانت لی ہے) سے ذاتی طور پر یا خط و کتابت کے ذریعہ رابطہ کرنا پڑتا ہے اس قسم کے دفتری امور کو تبرعاً انجام دینا ضروری نہیں۔ بلکہ کفیل کے لئے مکفول لہ سے یا مکفول عنہ سے ان تمام امور کے انجام دینے پر اجرت مثل کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

آج کل جو بینک کسی کی ضمانت لیتے ہیں تو وہ صرف زبانی ضمانت نہیں لیتے، بلکہ اس ضمانت پر بہت سے دفتری امور بھی انجام دیتے ہیں مثلاً: خط و کتابت کرنا کاغذات وصول کرنا، پھر ان کو سپرد کرنا، رقم وصول کرنا، پھر اس کو بھیجنا وغیرہ اور ان کاموں کے لئے اسے ملازمین، عملہ، دفتر، عمارت اور دوسری ضروری اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔اب بینک جو یہ تمام امور انجام دے رہا ہے۔ یہ فری فنڈ میں مفت انجام دینا اس کے لئے واجب نہیں ہے۔ چنانچہ ان امور کی انجام دہی کے لئے بینک اپنے گاہکوں سے مناسب اجرت لیتا ہے جو کہ جائز ہے۔ البتہ نفس ضمانت پر اجرت لینا جائز نہیں۔

بینک، بائع اور مشتری کے درمیان واسطہ بنتا ہے اور بحثیت دلال یا وکیل کے بہت سے امور انجام دیتا ہے۔ شرعا دلالی اور وکالت پر اجرت لینا جائز ہے۔ لہٰذا ان امور کی ادائیگی میں بینک کے لئے اپنے گاہک سے اجرت کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

چنانچہ اب بینک کے لئے گاہک سے دو قسم کی اجرتوں کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔

1۔ لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنے پر بینک کو جو دفتری امور انجام دینے پڑتے ہیں ان امور پر اجرت طلب کرنا جائز ہے۔

2۔ وکالت یا دلالی پر اجرت طلب کرنا جائز ہے۔

البتہ بینک اپنے گاہک سے یہ دو قسم کی جو اجرتیں وصول کرے گا اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ اجرت ان کاموں کی اجرت مثل سے زائد نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر یہ اجرت مثل سے زائد ہو گی تو پھر یہ تو نفس ضمان پر اجرت وصول کرنے کا ایک حیلہ بن جائے گا۔

بحر حال، جب بینک کو یہ دو قسم کی اجرتیں حاصل ہو گئیں تو اب نفس ضمان پر اجرت لینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔[25]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ درآمد کنندگان کو بینک جو ضمانت فراہم کرتا ہے جس کو لیٹر آف کریڈٹ کہا جاتا ہے اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ البتہ لیٹر فراہم کرتے وقت جو دفتری امور انجام دینا پڑتے ہیں ان کی اجرت لینا جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ بینک جو رقم اجرت کے نام سے وصول کر رہا ہے اور ان امور کی اجرت مثل سے زائد نہ ہو۔

روایتی بینکوں کی طرف سے دی جانے والی دیگر خدمات کی شرعی حیثیت

1۔ حج درخواستوں کی وصولی

2۔ یوٹیلٹی بلز کی وصولی

3۔ تنخواہوں اور پنشن کی ادائیگی

4-چیک بک چارجز

5۔ سکولز، کالجز اور یونیورسٹی کی فیسیں وصول کرنا

6-موبائل بینکنگ سروس چارجز

7۔ منی ٹرانسفر چارجز

8۔ ایس ایم ایس سروس

9-بیلنس انکوائری

10-لاکرز

بینک کی خدمات حاصل کرنا اور اس کے بدلے بینک کو کمیشن یا اجرت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں بینک وصول کنندہ کا وکیل ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ڈاکٹر عمر بن عبد العزیز المترکؒ لکھتے ہیں:

(هذه العمليه ظاهر فيها الجواز شرعا لان العمالة التى ياخذها المصرف هى اجرة او جعالة له على التحصيل وما يتطلبه من جهد و يتكلفه من مصاريف انتقال محصليه وارسال الاخطارات لهم والاشعارات بسدادهم)[26]

یہ کاروائی شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ بینک جو اجرت وصول کرتا ہے وہ خدمات سرانجام دینے کا حق یا محنت ہے۔ لہٰذا بینک کو اپنی خدمات کی اجرت اور اخراجات وصول کرنے کا حق ہے۔

لاکرز: اس کو عربی میں 'خزانات المقفولہ' (بند تجوری) کہا جاتا ہے۔ ایک شخص بینک کے اندر کسی مخصوص تجوری کو کرایہ پر لیتا ہے اور اس تجوری میں وہ خود اپنی رقم رکھتا ہے۔ اس رقم سے بینک کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ بینک کے ملازمین کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس نے تجوری کے اندر کیا رکھا ہے۔ عام طور پر لوگ اس تجوری میں سونا، چاندی، قیمتی پتھر اور قیمتی دستاویزات رکھتے ہیں۔ البتہ نقد رقم بھی اس تجوری میں رکھی جاسکتی ہے۔[27]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لاکرز کو بینک سے کوئی شخص کرایہ پر حاصل کرتا ہے اور دونوں کے درمیان کرایہ داری کا معاملہ طے ہوتا ہے اور کرایہ داری کے بعد وہ لاکرز بینک کے پاس ہی بطور امانت موجود رہتا ہے لہٰذا اس پر امانت کے احکام نافذ ہوں گے۔

قرض پر مبنی خدمات اور شرعی معیارات

عصرِ حاضر میں علمی حلقوں میں ایسے جدید مالی معاملات ردوقدح کا موضوع بنے ہوئے ہیں جن کی شرعی حیثیت اور فقہی تکییف میں علماء اختلافی آراء رکھتے ہیں اور معاملے کی پیچیدگی اس پر مزید بر آں ہے۔ اس فصل میں ان ہی مسائل میں سے دو ایسے مسائل کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جن کا ہمارے نزدیک عقود قرضیہ ہونا راجح ہے۔ ان مباحث سے عقد قرض کو پہچاننے اور اس کے احکامات کی تطبیق میں بصیرت پیدا ہوگی۔

وہ دو مسائل یہ ہیں:

1۔ کرنٹ اکاؤنٹ

2۔ اجارہ سکیورٹی ڈیپازٹ

قرض کا مفہوم

لغوی معنی: القرض عربی زبان کا لفظ ہے، جو کہ (قَرَضَ یَقرِضُ) کے وزن پر ہے اور اس کا معنی کاٹنا، القطع ہے۔ قرض کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹ جانے کے بھی ہیں[28]۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انسان سفر کرتے ہوئے بھی ایک مسافت قطع کرتا ہے۔

القاموس الوحید میں قرض کے معنی یوں دیئے گئے ہیں:

قرض الشئ قرضا، کترنا، کاٹنا۔[29]

قرض کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹ جانے کے بھی ہیں۔[30] وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انسان سفر کرتے ہوئے بھی ایک مسافت قطع کرتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

واذا غربت تقرضهم ذات الشمال۔[31]

اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے۔ اس آیت میں سورج کے کنی کترا جانے کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نصوص شرعیہ سے قرض کے درج ذیل معانی معلوم ہوتے ہیں:

مال، سفر کرنا، مضاربت پر دینا، غیبت کرنا، ادھار دینا اور چوری کرنا وغیرہ۔

قرض کا اصطلاحی معنی: مغنی المحتاج میں قرض کی تعریف یوں کی گئی ہے

شیخ شربینی تحریر کرتے ہیں: وهو تمليك الشئ على ان يردد بدله[32] (وہ قرض یہ ہے کہ کسی چیز کا اس شرط پر مالک بنانا کہ اس کی مثل واپس کی جائے)

قرض کا مفہوم فقہاء کی نظر میں:

فقہاء کے نزدیک قرض سے مراد کسی چیز کا اس شرط پر دینا، کہ اس کا بدل واپس کیا جائے۔

امام ابن حزم قرض کی تعریف یوں نقل کرتے ہیں:

> هو ان تعطى انسانا شيئا بعينه من مالك، تدفعه اليه، ليرد عليك مثله اما حالا في ذمته، و اما الى اجل مسمى۔[33]

> وہ یہ ہے کہ تو کوئی چیز اپنے مال میں سے بعینہ کسی کو اس شرط پر دے کہ وہ اس کی مثل ابھی تجھے ادا کرے یا ایک مقررہ مدت کو۔

صاحب مال اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر مقروض کو دے دیتا ہے۔

شیخ شربینی لکھتے ہیں: وسمى بذلك لان المقروض يقطع للمقترض قطعه من ماله۔[34] (اور اس کو یہ نام اس لیے دیتے ہیں کیونکہ قرض خواہ اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر مقروض کو دے دیتا ہے۔

ابو اسحٰق الشیرازی قرض کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ما تعطيه غيرك من المال لتقتضاه۔[35] (کسی مالیت کی حامل شے دوسرے کو واپسی کے مطالبے کی شرط پر دینا قرض ہے۔

علامہ ابن عرفہ دسوقی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں:

> دفع متمول فى عوض غير مخالف له لا عاجلا تفضلا فقط لا يوجب امكان عارية لاتحل متعلقا بذمة۔[36]

> ترجمہ: قرض کسی قدر والی سے کو بطور احسان اسی سے ملتے جلتے عوض کے بدلے ایک مقررہ مدت تک اس طرح دینا ہے جو ناجائز عاریت کا باعث نہ ہو اور وہ عوض ذمہ میں لازم ہو جائے۔

عقد قرض کی متنازع صورتیں:

1۔ کرنٹ اکاؤنٹ

2۔ اجارہ سکیورٹی ڈیپازٹ

کرنٹ اکاؤنٹ:

اس کو عربی میں 'الحساب الجاری' کہتے ہیں۔ اس اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے والے شخص کی یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ جب چاہے گا اپنی رقم بینک سے نکلوا لے گا۔ چنانچہ اکاؤنٹ ہولڈر کو مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے رقم نکلوا لے۔ اس اکاؤنٹ میں رقم رکھوانے کا مقصد نہ تو منافع کا حصول ہوتا ہے اور نہ ہی طویل مدت کے لئے سرمایہ کو محفوظ رکھنا مقصد ہوتا ہے۔ اس اکاؤنٹ میں رکھی گئی رقم کو علیحدہ نہیں بلکہ دوسری رقموں کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ بینکوں کا معمول یہ ہے کہ اس اکاؤنٹ

میں رکھوائی گئی رقم کا ایک متناسب حصہ اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اکاؤنٹ ہولڈر جب بھی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرے تو اس کو ادا کی جاسکے۔اس لئے اس کو عند الطلب قابلِ واپسی کھاتہ بھی کہا جاتا ہے۔[37]

کرنٹ اکاؤنٹ کی فقہی تخریج کے بارے میں محققین تین آراء رکھتے ہیں:

1۔یہ قرض ہے۔اس مؤقف کو مفتی تقی عثمانی صاحب نے اختیار کیا ہے۔[38]

2۔یہ امانت ہے، معاصر عرب مفکرین میں ڈاکٹر عیسیٰ عبدہ،ڈاکٹر حسن عبد اللہ الامین،ڈاکٹر عبد الرزاق الہیتی صاحب اس رائے کے حامیوں میں سے ہیں۔[39]

3۔یہ اجارہ ہے۔اس قول کو حسین بن معلوی الشہرانی صاحب نے اختیار کیا ہے۔[40]

کرنٹ اکاؤنٹ کی فقہی حیثیت میں چونکہ صرف تین ہی احتمالات بتائے گئے ہیں،اس لئے ہم ان تینوں عقود کے فرق کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرض:

بدل کی ادائیگی کی شرط پر نفع اٹھانے کے لئے مال دینے کا نام ہے۔

اجارہ:

منافع کی فروخت کو کہتے ہیں۔جس میں اصل شے محفوظ رہتی ہے اور کرایہ دار اجرت ادا کرکے اس شے سے منتفع ہونے کا حق مالک سے حاصل کرلیتا ہے۔

ودیعت:

کسی کو اپنا مال بغرض سپرد کرنے کو کہتے ہیں۔

درج بالا تینوں عقود کی تعریفات پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم اجارہ نہیں کیونکہ:اجارہ میں اصل شے کا باقی رہنا شرط لازمی ہے اور بینک میں جمع کی ہوئی نقد رقم کی خاصیت یہ ہے کہ جب تک اصل شے خرچ نہ کر دی جائے اس سے کوئی نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔لہذا کرنسی اس قسم کے مال میں سے نہیں جس میں اجارہ درست ہو۔اسی طرح کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم کو ودیعت بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ:امانت میں ملکیت منتقل نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی تصرف کی اجازت ہوتی ہے جبکہ بینک اس رقم کا متناسب حصہ فوری ادائیگی کے لئے محفوظ رکھ کر بقیہ رقم کو اپنی ضروریات، مصارف میں خرچ کر دیتے ہیں۔تاہم کرنٹ اکاؤنٹ کو قرض کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ:مقروض کو قرض میں ہر طرح کے تصرف اور خرچ کر دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ بینک جمع کردہ رقم میں ہر قسم کے تصرف کا مجاز ہوتا ہے۔بینک جمع کردہ رقم کے برابر کھاتہ دار کو وقتِ معین پر واپس کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

الغرض کرنٹ اکاؤنٹ کا قرض ہونا ہی راجح معلوم ہوتا ہے،اسی وجہ سے مجمع الفقہ الاسلامی کے نویں اجلاس منعقدہ ابو ظھبی، ذیقعد 1416ھ میں طویل بحث و مناقشہ کے بعد اس کے قرض ہونے کی قرارداد منظور کی گئی اس کے متن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

عند الطلب کھاتے چاہے وہ سودی بینک کے ہوں یا اسلامی بینک کے وہ فقہی نقطہ نظر سے قرض ہی ہیں۔اس لئے کہ کھاتہ رکھنے والا بینک اس کا ضامن ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کے واپس کرنے کا شرعاً ذمہ دار ہوتا ہے اور بینک کے مالدار ہونے سے اس عقد قرض پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔[41]

بینکوں کے رائج اجارہ میں سکیورٹی ڈیپازٹ:

بینک اور مالیاتی ادارے جب کسی صارف کے ساتھ گاڑی، مشینری یا کسی اور چیز کا اجارہ کرتے ہیں تو اپنے گاہک سے مطلوبہ چیز کی قیمت کا کچھ فیصد بطور سکیورٹی لیتے ہیں۔یہ سکیورٹی ڈیپازٹ بینک کے پاس رہتی ہے بینک کو یہ حق ہوتا ہے کہ تمام حقیقی نقصانات کی تلافی اس رقم سے کرلے۔بینک اس رقم کو کس کھاتے اور کس طرح استعمال کر سکتا ہے؟اس سوال کا جواب اس بات پر ہے کہ اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

درحقیقت اس رقم کی شرعاً تین نوعیتیں ہو سکتی ہیں:

1۔رہن 2۔امانت 3۔قرض

اس کو رہن تصور کرنے میں فقہی خرابی ہے۔رہن مالِ مضمون کے بدلے میں ہوتا ہے تاکہ ضمان میں غفلت کی تلافی اس کو بیچ کر کی جاسکے۔اجارہ میں لی گئی چیز گاہک کے پاس بطور امانت ہوتی ہے،امانت کے ضیاع پر تاوان نہیں ہوتا اس لئے رہن رکھنا ناجائز ہے۔

علامہ حصکفی کی درج ذیل عبارت کا حاصل بھی یہی ہے:

لا يصح اخذ الرهن بها لان الضمان عبارة عن رد مثيل الهالك ان كان مثليا،او قيمته ان كان قيميا فا لامانة ان هلكت فلا شي ء في مقابلتها،و ان استهلكت لا تبقى امانة بل تكون مغصوبة۔[42]

اگر اس رقم کی حیثیت امانت، سمجھی جائے تو پھر امانات کے متعلقہ احکام کی تعمیل اسلامی بینک پر لازم ہوگی۔امانت سے فائدہ اٹھانا اور اسے ذاتی مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔[43]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر امانت رکھنے والا (امانت رکھوانے والے) کی اجازت سے اپنے مال کے ساتھ ملالے تو اس سے امانت رکھوانے والے کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور امانت رکھنے والے کے لئے اس کا استعمال بشرطِ ضمان جائز ہو جاتا ہے۔

علامہ خالد اتاسی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہی معتبر ہے جس کی رو سے اجازت کے بعد امانت رکھوانے والے کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔[44]اس راجح قول کی رو سے سکیورٹی ڈیپازٹ کی رقم خلط کی وجہ سے انتہاء قرض بن جاتی ہے۔

سکیورٹی ڈیپازٹ کو قرض ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس پر قرض کے احکامات جاری ہوں۔احکامات قرض میں ایک اہم پہلو قرض خواہ کا قرض سے کسی قسم کا نفع نہ اٹھانا ہے۔لہٰذا اس سکیورٹی ڈیپازٹ رکھوانے پر گاہک کا زائد سہولت طلب کرنا یا بینک کا اسے رعایت دینا جائز نہیں۔مثلاً:سکیورٹی ڈیپازٹ کی وجہ سے کرائے میں معروف کمی کرنا جائز نہیں۔اس لئے جن بینکوں میں اس کی وجہ سے کرائے میں کمی کی جاتی ہے وہ شرعاً درست نہیں۔[45]

خلاصہ بحث

موجودہ دور میں بینک ڈیپازٹس بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں اور ہر شہر اور ہر ملک کا انسان اپنے کاروباری معاملات میں اس کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہے۔ان ڈیپازٹس سے متعلق بہت سے شرعی احکام بھی ہیں جن کا یقینی طور پر جاننا اور ان کے بارے میں علم ہونا ضروری ہے۔اگرچہ یہ مسائل موجودہ دور کے پیدا کردہ ہیں لیکن قرآن و سنت کے بیان کردہ اصولوں سے اور فقہاء اُمت نے کتب فقہ میں جو تفصیلات بیان کی ہیں،ان سے ان مسائل کا استخراج ممکن ہے۔لہٰذا اس مضمون میں انہی مسائل کے متعلق وضاحت اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔

آج کل جو بینک کسی کی ضمانت لیتے ہیں تو وہ صرف زبانی ضمانت نہیں لیتے۔بلکہ اس ضمانت پر بہت سے دفتری امور بھی انجام دیتے ہیں۔مثلاً خط و کتابت کرنا،کاغذات وصول کرنا،پھر ان کو سپرد کرنا،رقم وصول کرنا،پھر اس کو بھیجنا وغیرہ۔اور ان کاموں کے لیے اسے ملازمین،عملہ،دفتر،عمارت اور دوسری ضروری اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے۔اب بینک جو یہ تمام امور انجام دے رہا ہے۔یہ فری فنڈ میں مفت انجام دینا اس کے لیے واجب نہیں ہے۔چنانچہ ان امور کی انجام دہی کے لیے بینک کے لیے اپنے گاہکوں سے مناسب اجرت لینا جائز ہے۔

بینک کے لیے اپنے گاہک سے دو قسم کی اجرت لینا جائز ہے،ایک دفتری امور کی انجام دہی پر اجرت لینا اور دوسرے وکالت پر اجرت لینا۔اس لیے کہ ان دونوں قسم کی اجرت کی مقدار کی تعیین کو بینک پر چھوڑ دیا گیا ہے۔لہٰذا بینک کو اس کی گنجائش ہے کہ ان دونوں کاموں کی اتنی اجرت مقرر کردے جو موجودہ دور کے عرف کے مطابق ان خدمات کے لیے کافی ہو جو خدمات بینک نے انجام دی ہیں۔یہ کاروائی شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ بینک جو اجرت وصول کرتا ہے وہ خدمات سر انجام دینے کا حق یا محنت ہے۔لہٰذا بینک کو اپنی خدمات کی اجرت اور اخراجات وصول کرنے کا حق ہے۔

جہاں تک "لاکرز" کا تعلق ہے،اس کے اندر کوئی شبہ نہیں کہ وہ شخص "لاکرز" کو بینک سے کرایہ پر حاصل کرتا ہے اور دونوں کے درمیان کرایہ داری کا معاملہ طے ہوتا ہے اور کرایہ داری کے معاملے کے بعد وہ "لاکرز" بینک کے پاس ہی بطور امانت موجود رہتا ہے۔لہٰذا اس پر "امانت" کے احکام نافذ ہوں گے۔ مخصوص شہر میں قرض لوٹانے کی شرط۔جسے "سفتجہ" سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس کی مروجہ صورت ہماری نظر میں سودی قرض میں داخل نہیں بلکہ عقدِ قرض کی ایک جائز صورت ہے جس میں ترسیل پر مامور عملہ اجرت لے کر دوسرے شہر یا ملک رقم منتقل کر سکتا ہے اور وہ رقم کا بھی ضامن ہے۔جدید متنازع معاملات میں کرنٹ اکاؤنٹ،مروجہ اجارے کا سیکورٹی ڈپازٹ دراصل عقدِ قرض کی جدید صورتیں ہیں لہٰذا ان پر قرض ہی کے جملہ احکامات منطبق ہوں گے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[1]عصمت اللہ،زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے،ادارۃ المعارف،کراچی،2012ء،ص239

[2]شمس الدین السرخسی،المبسوط،دار المعرفۃ،بیروت،لبنان،طبع1414ھ(24/4)

[3] محمد امین بن عابدین الشامی، ردالمختار، مطبعۃ المدنی، مصر، طبع اول1419ھ

[4] Shakil Faruqi, Glossary;Banking and finance, English-English-Urdu,Student Edition,State Bank of Pakistan,Institute of Bankers Pakistan,Lahore School of Economics.

[5] Dr.A.N Agarwal,Introduction to Economic Principles.Kitab Mahal,1983,P.352

[6] Glossary,Banking and Finance,Shakil Faruqi Student Edition,State Bank of Pakistan,Institute of Bankers.

[7] زر کا تحقیقی مطالعہ شرعی نقطہ نظر سے، ص397-396

[8] قاضی شہزاد، اصول بنکاری، عظیم اکیڈمی، لاہور،2014ء ص195

[9] بطاقات الائتمان البنکیہ فی الفقہ الاسلامی، ص81

[10] بطاقات الائتمان للضریر، ص11، مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی:12 / 1431

[11] بطاقات الائمان للقری، مجلہ المجمع:7 /306، وبطاقات الائتمان البنکیہ، ص80

[12] اسلامی فقہ اکیڈمی، انڈیا، بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام، ص151، 153

[13] بطاقات الائتمان للزحیلی، ص7، بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام، ص151، 153

[14] بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام، ص25، 62، 24، 140، 86، 180، 181، 251

[15] محمد تقی عثمانی، انعام الباری، کتاب الحوالات، مکتبہ الحراء، کراچی، ج6، ص491-495

[16] مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ع 3:15 / 77

[17] بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام، ص67

[18] حوالہ سابق، ص245، 25

[19] محمد امین بن عابدین الشامی، ردالمختار علی الدر المختار، ج9، ص127

[20] محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، میمن اسلامک پبلشر، کراچی، ج3، ص39

[21] المائدہ 2:5

[22] القصص 17:28

[23] مفتی محمد شفیع، احکام القرآن، اردو مترجم مولانا زکریا اقبال (دار الاشاعت، کراچی، 2014) ج2، ص112-107

[24] فقہی مقالات، ج3، ص34، 39

[25] فقہی مقالات، ج1، ص301-304

[26] ڈاکٹر عمر بن عبد العزیز المترک، الربا والمعاملات المصرفیہ، دار العاصمہ، ص395

[27] مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل (ادارہ اسلامیات، کراچی، جون2008ء) ص207

[28] محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس (مطبعۃ حکومۃ الکویت، 1407ھ) فصل القاف مع الضاد، قرض، ج19، ص15

[29] مولانا وحید الزماں قاسمی، القاموس الوحید (عربی۔ اردو) (ادارہ اسلامیات، لاھور، 2001ء) ص1298

[30] محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس (مطبع حکومۃ الکویت، 1987ء) ج19، ص15

[31] الکہف 17:18

[32] محمد بن خطیب الشرینی، مفتی الحاج الی معرفۃ الفاظ النھاج (رادالمعرفۃ بیروت، لبنان، 1997ء) ص 153

[33] امام ابن حزم، المحلی (مکتبہ الجمھوریہ العربیہ، مصر 1389ھ)

[34] محمد بن خطیب الشربینی، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج (دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[35] یحیی بن شرف النووی، کتاب المجموع شرح المھذب للشیرازی (مکتبہ ارشاد، جدہ) ج 12، ص 253

[36] علی بن عبد السلام التسولی، البھجۃ فی شرح التحفۃ (دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1998ء) ج 2، ص 471

[37] مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معاشی مسائل (ادارہ اسلامیات، کراچی، جون 2008ء) ج 5، ص 206

[38] مفتی تقی عثمانی، فقہی مقالات (میمن اسلامک پبلشر، کراچی، 2011ء) ج 3، ص 26

[39] www.saaid.net/fatwa/sahm/24.htm

[40] ibid

[41] www.fiqhacademy.org.sa/qrarat/9-3.htm

[42] ابن عابدین، حاشیہ رد المختار، کتاب الرھن، باب مایجوز ارتھانہ ومالا یجوز، ج 6، ص 492

[43] علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ) ج 5، ص 314

[44] محمد خالد اتاسی، شرح المجلہ (مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ) ج 3، ص 269

[45] محمد تقی عثمانی، غیر سودی بینکاری (معارف القرآن، کراچی، مئی 2009ء) ص 271